توضیحِ بیان

ڈاکٹر فضل الرحمن

اگست ۶۳ء کے "بینات" میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے "فکر و نظر" کے عنوان اور "علماء امت کے لئے لمحۂ فکریہ" "عصر حاضر کا اہم تقاضا" اور "قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل" کے ذیلی عنوانات سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جو اکتوبر ۶۳ء تک جاری رہا۔ ان مضامین میں جدید مسائل کے حل کے لئے جو طریقۂ کار پیش کیا گیا تھا۔ اس سے مجھے مکمل اتفاق نہیں تھا۔ اس کے باوجود مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ ہمارے علماء کرام کے ایک سنجیدہ حلقے میں جدید مسائل کے حل کی کوشش کا جذبہ موجود ہے۔ مزید مسرت کا مقام یہ تھا کہ ان مضامین سے متبادر یہ ہوتا تھا کہ مولانا صاحب موصوف قدیم طرز کے علماء کو عصرِ جدید کے ماہرینِ علوم کی اعانت سے ان جدید مسائل کے حل کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ مولانا صاحب موصوف نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ "بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا کہ وہ وقت کے جامع ترین علماء . . . [یہاں ان کی طویل صفات بیان کی گئی ہیں۔] . . . . کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی اور ان کی رفاقت میں عصرِ حاضر کے دیندار قانون داں طبقہ کو شامل کرتی۔ اس طرح قدیم و جدید سے فقہ اسلامی کی مہارت و معلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے۔" (اگست ۶۳ء صفحہ ۱۳۳) اس کے بعد اکتوبر ۶۳ء کے شمارہ میں "مشتے نمونۂ خروار" اور "قابلِ توجہ مسائلِ حاضرہ" کے ذیلی عنوانات کے تحت جو مسائل مولانا موصوف نے پیش کئے تھے، ان میں "انشورنس" اور "بنک" (صفحہ ۲۵۸-۲۵۹) "اناٹومی"، "سرجری" اور "علاج الامراض وادویہ" (صفحہ ۲۶۰)

جیسے مسائل کا ذکر تھا جو ظاہر ہے کہ علومِ جدیدہ کے ماہرین کے مشورے ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری کے مندرجہ بالا ارشادات اور اُن سے حسنِ ظن رکھنے کی بنا پر میں نے اپنے ایک اخباری بیان میں قدیم و جدید طرز کے علماء و ماہرین کے باہمی تعاون کی اہمیت کے سلسلے میں مولانا موصوف کا حوالہ دیا تھا۔ میرے اس بیان کے ضروری اقتباسات نومبر ۱۹۶۳ء کے "فکر و نظر" کے اداریہ میں نقل کئے گئے تھے اور تعاون کی دردمندانہ اپیل کی گئی تھی۔ جس کا جواب مولانا کی طرف سے دسمبر ۱۹۶۳ء کے "بیّنات" میں "عصرِ حاضر کے جدید مسائل کا حل اور ایک غلط فہمی کا ازالہ" کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ میرے حوالہ دینے پر مولانا نے تعجب کا اظہار کیا ہے لیکن مجھے اب بھی یقین ہے کہ میں نے مولانا کے مضامین سے تعاون اور رفاقت کا جذبہ اخذ کرنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ بہرحال، مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ مولانا نے اپنے اس مضمون میں "حدیث و سنّت" پر میرے سلسلۂ مضامین کی تنقید کا آغاز فرمایا ہے۔ اس سلسلۂ مضامین کے اردو ترجمہ کی آخری قسط اس رسالہ کے موجودہ شمارہ میں شائع ہو رہی ہے۔ میں مولانا کے مکمل تبصرہ کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔ دین کے اہم مسائل باہمی افہام و تفہیم ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔

مولانا نے اپنے تمہیدی تبصرہ میں "حدیث و سنّت" پر میرے سلسلۂ مضامین کے اُردو ترجمہ کی پہلی قسط کے حاشیہ کے ایک فقرہ "نمازوں کے لئے ایک معیاری وقت" سے جو معنی نکالے ہیں وہ یقیناً میرے دل میں نہ تھے۔ نہ عام قاری اُن سے وہ مفہوم نکالنے میں کامیاب ہوگا۔ "معیاری وقت" "STANDARD TIME" کا ترجمہ تھا۔ میری مراد بندھے ٹکے، منٹوں کی حد تک متعیّن اوقات سے تھی۔ جس عبارت کے حاشیہ سے مولانا نے یہ فقرہ نقل فرمایا ہے، اسی کے متن میں "غیر لچکدار" ("INFLEXIBLE") اور "جامد" ("RIGID") کے الفاظ موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو "فکر و نظر" شمارہ نمبر ۱، صـ ۱۸ اور "اسلامک اسٹڈیز" بابت مارچ ۱۹۶۳ء، صـ ۱۲) مجھے یقین ہے کہ مولانا موصوف مجھ سے متفق ہوں گے کہ عہدِ رسالت میں اوقاتِ صلوٰۃ میں اتنی "لچک" (اگر یہ لفظ نامناسب ہو، تو اسی مفہوم کا کوئی اور لفظ تجویز فرمالیں، مطلب ہے "تشدّد کے ساتھ تعین کا فقدان") ضرور تھی کہ اس کے باعث احادیثِ نبوی میں اس بارے میں تعارض اور فقہاء کے مذاہب میں شدید اختلافِ رائے کا اظہار ہوا۔ یہاں تک کہ بلا عذرِ سفر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کے ملا لینے کی

سنتِ نبوی کا واضح ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔

جہاں تک نمازوں کی تعداد، ان کے اوقات اور طریقوں کا تعلق ہے، میں اس سلسلۂ مضامین میں، جس کا انگریزی متن اب سے ڈیڑھ پونے دو سال قبل ادارہ کے انگریزی مجلّہ "اسلامک اسٹڈیز" کے شمارہ بابت مارچ وجون ۱۹۶۲ء میں شائع ہوچکا تھا، اور اُردو ترجمہ اس ماہنامہ میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے، یہ واضح کرچکا ہوں کہ "صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ کا اپنی **عملی تفصیلات** کے ساتھ ("WITH THEIR DETAILED MANNER OF APPLICATION") بالتواتر بطور سنّتِ نبوی مروی ہونا ایسا بدیہی امر ہے کہ اس سے انکار وہی کرسکتا ہے جو عقل یا دیانت سے محروم ہو" ("اسلامک اسٹڈیز، جون ۱۹۶۲ء صد ۱۳۴ و "فکرونظر" حالیہ شمارہ صد ۲۱)۔ امید ہے یہ توضیح مولانا کی غلط فہمی کے ازالہ کا سبب ہوگی۔

مولانا نے اپنے مضمون زیرِ تبصرہ میں اجتہاد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اسلامی قوانین کو پاکستان کے نو کروڑ مسلمانوں کی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لئے تقلید پر تشدّد کے ساتھ کاربند رہنے سے ہرگز کام نہ بنے گا۔ جب تک "مسلمانان درگور و مسلمانی درکتاب" فرض کرلیا گیا تھا، اس وقت تک رہنمائی امور کے لئے تقلیدِ شخصی ہی واحد راستہ تھی لیکن اب اس صورتِ حال کو بدلنے کی سعی لازمی ہے۔ ورنہ پاکستان میں سیکولرزم کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔ بلکہ الحاد کا سَیل سب کچھ بہالے جائے گا۔ میں نے اس موضوع پر اپنے چند خیالات کا اظہار ایک موقع پر کیا تھا، جو اس ماہنامہ میں "قانونی اساس کے لحاظ سے قرآنِ کریم کی اَبدیت" کے عنوان سے درج ہے۔ میں مولانا سے بہ ادب عرض کروں گا کہ وہ ان معروضات پر توجہ دیں اور اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کی تدابیر پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔